ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

بشریٰ شیریں

استسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، کنیئرڈ کالج یونیورسٹی، لاہور

مجید امجد کی نظموں کے تجسیمی کرداروں کی جمالیات

Bushra Sherreen
Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College For Women University, Lahore.

***Corresponding Author:** bushra.sheereen@kinnaird.edu.pk

Aesthetic Expression of Personified Characters in the Poems of Majeed Amjad

This research paper is centered around the key concept of Personification. The literary device personification symbolizes the attribution of human qualities and sentiments to inanimate or non living objects. This technique has been used in literature since ancient times. In the modern era, poets are compelled by contemporary requirements to use this technique in their poetry. One such poet is Majeed Amjad whose poetry represents twentieth century. Amjad personifies different aspects and objects of nature in his poems, the study of which is the central aim of this research paper. This paper first highlights the Western understanding of personification by quoting examples. Then it analyzes how different phenomena and objects are personified in Amjad's poetry including trees, grass, leaves, echo, a beggar woman, a blood spot, and many other. This paper brings together the Western and Oriental literary trends in Urdu which marks its vast scope and implies further research in this domain.

Key Words: *Personification, Majeed Amjad, Poetry.*

فرانسیسی شاعر بولو کہتا ہے:

"ایک جامع نظم ایک بے ڈھنگے دماغ کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ وہ احتیاط، وقت، ہنر مندی اور دکھ اٹھا کر لکھی جاتی ہے۔ وہ کسی ناتجربہ کار ذہن کی حرارت طبع کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ شاعری ایک

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

ماخذ تحقیقی مجلہ

ظالم فن ہے۔ یہ اچھے اور خراب کے درمیان سمجھوتہ نہیں کرتا۔ دوسرے علوم میں ایک شخص دوسرے درجے پر رہ کر بھی قابل عزت ہو سکتا ہے لیکن شاعری میں نہیں۔"(۱)

جدید شاعر مجید امجد نے بھی اپنی زندگی کے تجربات، مشاہدات اور تفکر کو اپنی نظموں میں ڈھالا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظم اردو شاعری کی روایت میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔ درج بالا پیراگراف میں جیسا کہ "بولو" نے کہا کہ شاعری ظالم فن ہے، تو اگر ہم اس کی تکنیک کی بات کریں یا فکر کی یہ پورا دل و دماغ مانگتی ہے، ایسا دل و دماغ کہ جو حوادث زمانہ سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنی اصالت، اپنی لطافت اور اپنی رفعت کو فراموش نہ کر دے۔ ان حوادث کو نظم کرنے کے لئے شعراء مختلف صنعتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ مجید امجد نے بھی تشبیہہ استعارہ، کنایہ کے ساتھ ساتھ پرسونی فی کیشن (Personification) کو بھی برتا اور یہی صنعت مجید امجد کو فطرت کے اتنا قریب لے گئی کہ وہ ان فطری مظاہر کے بھید میں چھپی تجرید کو تجسیم میں ڈھالنے کے فن کے عمل کو بروئے کار لاتے ہوئے ان سے گفت و شنید کرنے لگا اور ایسے ہم کلام رہا کہ جیسے کائنات کے ازلی بسیروں میں موجود پرانے ساتھی ہم کلام ہوا کرتے ہیں۔ مجید امجد نے پرسونی فی کیشن کا انتخاب اس لئے بھی کیا کہ وہ فطرت کے نمائندہ کردار یعنی قاری تک اپنے تجربے کی آنچ کو من و عن پہنچا سکے۔ ان حوادث زمانہ میں ہجر، وصال اور اضطراب کے علاوہ بھی ایسے تجربات ہیں کہ مکمل شاعر ایک بڑے شاعر کے ہاں پائے جاتے ہیں، جیسے ایک بڑا شاعر ہمہ وقت کائنات کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے۔ اس کے ذرے ذرے اور تنکے تنکے سے اس کی کہانی سنتا ہے۔ پہاڑوں کے دامن اور راہ گزاروں پر تحریر شدہ صدیوں کی کہانی کو غور سے پڑھتا ہے۔ افلاک میں سورج، چاند، ستاروں کی تخلیق کا مقصد، اس کے معمولات کا نظام جاننے کی خاطر اپنے آپ کو ان کے برابر لے جاتا ہے۔ زمین پر رہ کر افلاک کی گردش پر نظر رکھتا ہے۔ کل دستے، کیاریاں، گھاس کی پتیاں، سورج کی ننھی ننھی کرنیں، اس کے لیے زندگی کی معمولات کا حصہ نہیں بلکہ غیر معمولی توجہ کی حق دار بن جاتی ہیں۔ گویا وہ انسان ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو فطرت کا حصہ سمجھ کر ارد گرد کی اشیاء کو سمجھنا چاہتا ہے۔ "تفہیم" کے اس سفر میں ان اشیاء سے ہم کلام بھی ہوتا ہے اور یہ گفتگو کئی پہر جاری رہتی ہے۔ پھر اس گفتگو سے یہ شاعر ایک نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔

مجید امجد اپنی نظم "شاعر" میں کہتے ہیں:

ہر اک دوب سے سن رہا ہوں ترانہ (۲)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ محض مصرع نہیں بلکہ شاعر کا تجربہ ہے جو اس دنیا کو حقیقی جان کر اس نے حاصل کیا۔ بڑے شاعر کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اس کے ہاں "زندگی" کے بارے میں لایعنیت (Absurdity) نہیں پائی جاتی۔ وہ زندگی کی، خواہ یہ اس کوریت کے ذرے میں، دوب کے تنکے میں نظر آئے، قدر کرتا ہے۔ مجید امجد نے اس مصرعے میں دُوب کے تنکے کو گاتے، گنگناتے سنا ہے۔ دُوب کا تنکا تبھی گا سکتا ہے جب کہ اس کی آنکھیں ہوں، جو خوب صورتی دیکھتی ہیں، اس کے کان ہوں، جنھوں نے موسیقی سن رکھی ہو۔ اس کے پاس قوتِ گویائی ہو کہ جو اس نے دیکھا اور سنا، اس تجربے کی کسی ہم راز تک خوب صورتی سے ترسیل بھی کر سکے۔ ان سب سے بڑھ کر دُوب کے تنکے میں دل موجود ہو کہ جہاں پر ان سب تجربات کو اضطراب کی بھٹی میں پگھلایا گیا اور پھر گا دیا گیا۔ یہ حسیات اور صلاحیتیں بلاشبہ دُوب کے تنکوں میں نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ سراسر انسان کو ودیعت کی گئی ہیں۔ درد بھرا دل خالق کی وہ عطا ہے جو اس کے منتخب لوگوں یا شاعروں کو ملتی ہے تو ایسا کیوں کر ممکن ہوا کہ مجید امجد نے دُوب کے تنکے سے ترانہ سن لیا۔

جدید اردو نظم، اردو نظم کی ایک مضبوط روایت رکھتی ہے۔ قلی قطب شاہ کے بعد نظیر اکبر آبادی نے عوامی موضوعات پر نظمیں لکھیں، مولانا محمد حسین آزاد نے مشاعرے کی طرز پر، مناظمہ کے نام سے نظم کے مشاعرے کی بنیاد رکھی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے مقدمہ شعر و شاعری، لکھ کر آنیوالے شعراء کے راستے کے نہ صرف کانٹے چن لیے بلکہ انکو نت نئے موضوعات کا راستہ بھی دکھاتے ہوئے، اردو نظم کا دامن وسیع کیا۔ اردو نظم کی اس روایت سے پہلیفارسی شاعری بالخصوص مولانا روم کی مثنوی نے بھی اردو نظم کی فکری و فنی آبیاری کی۔

صرف یہی نہیں جدید اردو نظم نے انگریزی ادب سے بھی خوشہ چینی کی ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی شعراء کے ہاں ایک اصطلاح Personification استعمال ہوتی ہے۔ جن میں ولیم بلیک، اے۔ ایچ ہاؤس مین، ایملی الزبتھ ڈکنسن کی مشہور نظمیں شامل ہیں۔ ولیم شیکسپیئر کے ہاں بھی Personification سے مراد ہے:

> "Personification is a figure of speech where human qualities are given to animals, objects or ideas. In arts, Personification means representing a non-human thing as if it were human.[۳]

اس کی مثال میں شیکسپیئر کی لائن پیش کی جاتی ہے:

"When well-appareled April on the heel of

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلہ

limping winter trees." (۴)

یہاں شیکسپیئر نے "اپریل کے مہینے" کو پرسونیفائی کیا ہے۔ اے۔ ایچ ہاؤس مین ایک نظم oveliest:
of Trees the Cherry Now میں چیری کے درخت کو پرسونیفائی کرتے ہیں:

Loveliest of trees, the cherry now
Is hung with bloom along the bough,
And sands about the woodland ride
Wearing white for Eastertide.(۵)

یعنی چیری کا درخت سفید لبادہ اوڑھے ایسر منانے جارہا ہے۔

اسی طرح ولیم بلیک کی ایک خوب صورت نظم میں خوب صورت خیال کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'Ah, William, we're weary of weather,'
said the sunflowers, shining with dew.
'Our traveling habits have tired us.
Can you give us a room with a view?'
They arranged themselves at the window
and counted the steps of the sun,
and they both took root in the carpet
where the topaz tortoises run."(۶)

گویا سورج سورج مکھی کے پھول شاعر سے ملتمس ہیں کہ موسم کی شدت نے انھیں بہت سست کر دیا ہے۔ ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ایسی کھڑکی میں رکھ دو کہ جہاں سورج کی کرنیں براہِ راست ان تک آئیں اور ان میں زندگی دوڑا دیں۔ درج بالا مثالوں پر غور کریں تو شعرا کے ذہن نے، اپریل کے مہینے، چیری کے درخت اور سورج مکھی کے پھول کو ایک سوچنے سمجھنے اور بولنے والا وجود (Object) بنادیا ہے۔ گویا شاعر کی نظر پڑتے ہی ان بے جان اشیاء میں زندگی آجاتی ہے اور وہ اس سے ہم کلام ہو کر اپنے دکھ، درد، خوشیاں، احساس اور جذبات سے آگاہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلہ

کرتے ہیں۔مادی اشیا کی تجسیم صرف خیال کے خوب صورت اظہار ہی کے لیے نہیں برتی جاتی بلکہ اس کا استعمال ایک بڑے شاعر کے لیے ناگزیر بھی ہے۔"دلت شاعری" میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔مثال کے طور پر:

دکھ درج سے لرزتے ہوئے
اس پیڑ کو دیکھا میں نے
یوں کہ اکی جڑیں خوب گہری پھلی ہوئی...... (۷)

اسی طرح اُردو شاعر میں مجید امجد کی نظم "بہ فرشِ خاک" میں سے دو سطور پیش کی جاتی ہیں۔

گجرے لہکیں، سیجیں، گھلتی سانس کے جھونکے آئیں
لیکن جب میں تجھ کو پکاروں دُور اک گونج کی میت گزرے (۸)

"گونج" جس کا تعلق آواز سے ہے،شاعر نے اس نظم میں گونج سے انسانی آواز مراد لی ہے۔انسان جب زندہ ہوتا ہے تو گفتگو کرتا رہتا ہے مگر جب مر جاتا ہے تو قوتِ گویائی بھی اس سے لے لی جاتی ہے۔مرنے کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کا عمل ہے۔قبر میں دفنانے کے لیے مردہ انسان جب گھر سے قبرستان کی طرف لے جایا کرتا ہے تو میت کو کندھے پر اٹھائے انسانوں سے لے کر جنازے کی آخری قطار کے آخری فرد تک فضا میں پراسرار خاموشی چھائی رہتی ہے۔سوائے قدموں کے اور کسی کی آواز نہیں ہوتی۔میت کا گھر سے اٹھنا، قبرستان کی جانب سفر اور پھر قبر میں اتارنے کا عمل ایک انسان کے ساتھ مشروط ہے۔مجید امجد نے اپنی آواز کی گونج کو تجسیم کر دیا۔شاعر نے کسی کو پکارا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اپنی آواز کی گونج کی میت کا جنازہ بھی دیکھ لیا ہے۔

نظم "بھکارن" میں لکھتے ہیں:

میں کہاں روز روز آتی ہوں
ہے میرے کوچ کی گھڑی نزدیک
جانے والو، بس اک نگاہ کی بھیک (۹)

اس نظم میں ایک راہ گزر پر گری ہوئی پھولوں کی ٹہنی نے شاعر کی آنکھ کو جو خیال سونپا ہے، مجید امجد نے اس کو Personify کر دیا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا"اردو شاعری کا مزاج" میں لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلّہ

"نظم میں شاعر نے براہِ راست اشیاء اور حقائق سے رابطہ استوار کیا۔ چناں چہ نظم میں جب شاعر کسی خاص چیز کا ذکر کرتا ہے تو اپنے تجربے کی بنا پر ایسا کرتا ہے اور یہ چیز اپنے حقیقی خد وخال کے ساتھ اس کے کلام میں ابھرتی ہے۔" (۱۰)

مجید امجد کے فن کو سمجھنے کے لیے یہاں ایک اور مثال دی جاتی ہے۔ سر فلپ سڈنی "شاعری کا جواز" میں لکھتے ہیں:

"فطرت نے زمین کو ایسے رنگین لباس سے آراستہ نہیں کیا اور نہ ایسے دل کش دریاؤں، پھل دار درختوں اور خوشبودار پھولوں سے اور نہ ان چیزوں سے جو محبوب زمین کو اور زیادہ محبوب بنادیتی ہیں لیکن شاعروں نے اسے فی الواقع آراستہ کر دیا ہے۔" (۱۱)

گویا مجید امجد نے اس زمین و آسمان میں موجود اشیاء سے ہم کلام ہو کر ان کے احساس جان کر ان کا پیغام اپنے قاری تک پہنچایا ہے۔ بڑا شاعر اپنی آنکھ سے قاری کے تخیل کی تربیت بھی کرتا جاتا ہے۔ درج بالا نظم میں ایک پھولوں کی ٹہنی، گزرتے ہوئے راہ گیروں کی توجہ کی طالب یوں بن گئی ہے کہ جو پھول ایک بار کھل گیا وہ دوبارہ نہیں کھلے گا، جو لمحہ گزر گیا وہ دوبارہ نہیں آئے گا، لہٰذا تم اپنے اردگرد موجود اشیا سے بیگانہ وار گزرنے کے بجائے میری جانب بھی دیکھ لو، میں بھی دوبارہ کبھی تمھارے راستے میں آکر تمھارے پاؤں نہیں پڑوں گی۔ تجسیم کاری کی ایک اور مثال مجید امجد کی نظم "کوئٹے تک" ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

صدیوں سے راہ تکتی ہوئی گھاٹیوں میں تم
اک لمحہ آکے ہنس گئے، میں ڈھونڈتا پھرا
راہیں دھوئیں سے بھر گئیں میں منتظر رہا
قرنوں کے رخ جھلس گئے میں ڈھونڈتا پھرا (۱۲)

شاعر نے اپنے انتظار کی گھڑیوں کو صدیوں پر محیط کر دیا۔ یہ وقت اپنی طوالت کی صدیوں پر مبنی ہے اور انتظار کی گھڑیاں انسان کو اپنی ذات پر گہرے غور و خوض میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس گہرائی میں انسان کا خیال دھنستا چلا جاتا ہے، اس خیال کی وسعت اور گہرائی کو مجید امجد نے پہلے "گھاٹی" سے تشبیہ دی ہے اور پھر اس کو آنکھیں دے کر منتظر دکھایا ہے۔ بظاہر سال ہا سال گھاٹیوں کی ہیئت، وضع قطع نہیں بدلتی۔ گویا وہ کسی کا مجسم انتظار بن کے کھڑی ہیں اور وقت کی سوئی کسی نے نکال دی ہے۔ مجید امجد نے اس انتظار کو جان بوجھ کر گھاٹیوں کو منتظر دکھایا ہے اور اگلے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

شعر میں بھی وقت کو ہی موضوع بنایا مگر اب کی بار وقت کے بیان میں فلسفیانہ موشگافیوں سے کام لینے کے بجائے اس کو ذی روح بنا کر پیش کیا ہے۔ گویا وقت کو مجسم کر دیا۔ اس کارخ کسی کے انتظار میں کھڑے کھڑے سورج کی تپش اور انتظار کی جلن میں جھلس کر رہ گیا مگر محبوب ہستی کی تلاش پھر بھی جاری ہے۔ جدید جرمن شاعر رلکے کا کہنا ہے کہ جدید شاعری انسان کے تجربات کا بیان ہے اور اس تجربے میں موت کا بیان ایسا تجربہ ہے جس کو پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔ مجید امجد کی شاعری میں موت کی جانب ان کی لپک، موت سے خوف اور موت کی ہمہ گیر وحشت و تباہی نظر آتی ہے جو انسانی جذبات و احساسات کا خیال رکھے بغیر اندھے اونٹ کی طرح بدمست چلتی ہوئی آتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "مجید امجد کی شاعری کی سرحدیں اتنی وسیع ہیں کہ اس کے دائرے میں جمادات، حیوانات، حشرات الارض، پھل، پھول اور بچے سمٹ آئے ہیں حتیٰ کہ زندگی اور موت کے جملہ مظاہر کا بھی اس نے احاطہ کر لیا ہے۔"[۱۳]

مجید امجد نظم "ایکسیڈنٹ" میں لکھتے ہیں:

"مجھ سے روز ہی کہتا ہے پکی سڑک پر وہ کالا سا داغ، جو کچھ دن پہلے
سرخ لہو کا تھا اک چھینٹا، چکنا، گیلا، چمکیلا، چمکیلا ....

....

میں نے پہلی بار اس دن
اپنی رنگی برنگی قاشوں والی گیند کے پیچھے
یوں ہی ذرا اک جست بھری تھی
ابھی تو میرا روغن بھی کچا تھا
اس مٹی پر مجھ کو منڈیل دیا یوں کس نے
اوں اوں...... میں نہیں مٹتا، میں تو ہوں، اب بھی ہوں
میں یہ سن کر ڈر جاتا ہوں:
کالی بجری کے روغن میں جینے والے اس معصوم لہو کی کون سنے گا؟"[۱۴]

فرانسیسی شاعر "بولو" لکھتا ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلہ

"قدرت ہر قسم کی ذہانت سے معمور ہے اور ہر مصنف کے لیے ایک راستہ مقرر کر سکتی ہے،
ایک مصنف نظم میں آتش عشق رقم کر سکتا ہے۔"(۱۵)

مجید امجد نے بھی نظم "ایکسیڈنٹ" میں سڑک پر لہو کے دھبے کو پرسونیفائی کیا ہے۔ایک چھوٹا بچہ کہ جو کھیلتے کھیلتے سڑک پر گیند لینے آیا مگر اجل نے اس کو آن لیا۔اب اس کا تازہ لہو کا چھینٹا کچھ دن گزرنے کے بعد زمین سے چپک گیا ہے اور داغ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔لہو کا یہ داغ، شاعر سے مخاطب ہے کہ اس نے ایک دن پہلی بار گیند کو پکڑنے کے لیے سڑک پر جست بھری تھی مگر اس کو اس حالت میں کس نے پہنچا دیا، اب وہ بضد ہے کہ اب وہ یہاں سے نہیں ہٹے گا۔شاعر کی ذہانت اور تخیل نے اس کے الفاظ میں وہ روح پھونکی ہے کہ قاری کو لہو کا داغ بولتا ہوا دکھائی اور سنائی دے رہا ہے اور اپنے تئیں اس کو چکا رہا ہے۔مجید امجد جیسا شاعر بقول ڈاکٹر وزیر آغا ایک اہم درد دل رکھتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مجید امجد کی شاعری میں کون سا جذبہ اپنی گہرائی اور تنوع کے ساتھ ابھرا ہے تو میں کہوں گا کہ دردمندی مجید امجد کی شاعری کا سب سے فعال سب سے حسین جذبہ ہے۔" (۱۶)

یہی دردمندی مجید امجد کی شاعری میں ایک روح کی مانند موجود ہے، سانس لیتی ہے۔ Personification کی ایک مثال ان کی نظم "گاڑی میں" سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے:

گنجان جھنڈ جن کے تلے کہنہ سال دھوپ
آئی کبھی نہ سوت شاعوں کا کاتنے(۱۷)

اس شعر میں شاعر کا مظاہر فطرت پر غور و خوض بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔شاعر نے شاداب مرغزار میں جھنڈ میں سے چن کر آئی شعاعوں کا سوت کاتنے کے لیے دھوپ سے گلہ کیا ہے۔دھوپ کو نہ صرف آنکھیں، ہاتھ، کان دے کر تجسیم کیا بل کہ اس کے ہاتھ میں ہنر بھی دیا۔گویا دھوپ کو کمال خوبصورتی اور شاعرانہ ہنرمندی سے پرسونیفائی کر دیا۔اس کے علاوہ ہمارے کلچر میں سوت کاتنے کا تعلق بڑی بوڑھیوں کے ساتھ منسلک ہے۔یہ روایت بھی وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئی ہے۔لہٰذا جہاں شاعر نے دھوپ کو کہنہ سال کہا اور اس سے شعاعوں کا سوت نہ کاتنے کا گلہ کیا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلہ

وہیں اس نے اپنے تجسیم شدہ کردار (Personified Character) یعنی دھوپ کو معمر بھی دکھا دیا۔ گویا مجسم معمر بھی ہے۔ نظم ”موج تبسم“ میں لکھتے ہیں:

ستاروں کو نہ آتا تھا ابھی تک مسکرا اٹھنا ....

پھر یہ کہ

نہ اب تک آبشاریں پتھروں سے سر پٹکتی تھیں
نہ اب تک رونے دھونے میں یوں راتیں ان کی کٹتی تھیں ......[۱۸]

ایلیٹ شاعری اور جذبے کے سلسلے میں بڑی اہم بحث اٹھاتا ہے اور لکھتا ہے:

”شاعر کا کام نئے جذبات کی تلاش کرنا نہیں بلکہ معمولی جذبات کا استعمال کرنا ہے اور پھر انھیں شاعری میں برتتے وقت ایسے احساسات کا اظہار کرنا ہے جو متداول جذبات میں بالکل نہیں پائے جاتے۔“[۱۹]

مسکرانا، سر پٹکنا اور رونا دھونا ایسے عوامل ہیں جو براہِ راست انسانی جذبات سے وابستہ ہیں مگر مجیدامجد نے ستاروں کو جو کہ فی الاصل آگ ہیں، ایک مسکراتا چہرہ دیا۔ آبشاروں کو مجسم کر کے ان کو سر پٹکنے اور رونے دھونے جیسے جذبات سے آراستہ کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا ”نظم جدید کی کروٹیں“ میں مجید امجد کی کشادگی نظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جدید اردو نظم میں قریبی اشیاء کے وجود کا احساس اور فنی لوچ کا التزام محض مجید امجد تک محدود نہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے جدید نظم نگاروں کے ہاں بھی یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے۔ بے شک مجید امجد کے ہاں اس نے ایسے مستقل رجحان کی صورت اختیار کی جو کسی اور جدید اردو شاعر کے ہاں نظر نہیں آتا۔“[۲۰]

مجید امجد کو الفاظ پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ نظم ”طلوع فرض“ میں دیکھئے کہ کس خوب صورتی سے انھوں نے نالی میں موجود پانی کی جانب اشارہ کر کے اس کی بدقسمتی کا یوں ذکر کیا ہے کہ شاہد کا نکتہ نظر ہی بدل گیا۔ وہ لکھتے ہیں:

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

سڑک کے موڑ پر نالی میں پانی
تڑپتا تلملاتا جا رہا ہے
زدِ جاروب کھاتا جا رہا ہے
وہی مجبوری افتادِ مقصد
جو اس کی کاہشِ رفتار میں ہے
مرے ہر گام ناہموار میں ہے [۲۱]

سڑک کے موڑ پر نالی میں پانی جو کہ مسلسل رواں ہے اور اس کی ایسی روانی کے باعث اس میں مہین باریک، پتلی پتلی لہریں بنتی ہیں اور بنتی چلی جاتی ہیں انھی لہروں کو مجید امجد کی آنکھ نے دیکھ کر پانی کی تلملاہٹ قرار دیا ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان جب تلملاہٹ کا شکار ہوتا ہے تو اس کی پیشانی پر بھوؤں کے بیچ میں کچھ لائنیں ابھرتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں پھر چند ثانیوں کے بعد ابھرتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔یہی عمل اس کی آنکھوں کے پپوٹوں کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔گویا تلملاہٹ ایک خالصتاً انسانی خاصیت ہے، کسی بھی مجبوری کے تحت بالخصوص جہاں احتجاج نہ کر سکتا اور غلام ہی اس کا مقدر ہو، وہاں صرف وہ تلملا سکتا ہے۔یعنی نالی میں موجود پانی بھی جھاڑو کی ضربیں کھا کر صرف تلملا سکتا ہے مگر رواں رہنا نہیں چھوڑ سکتا۔نامور مصور عبدالرحمن چغتائی اس مضمون "تخلیق اور تخلیق کار" میں لکھتے ہیں:

"فن اور ادب فطری طور پر حسیات اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔"[۲۲]

مجید امجد نے بھی حسیات اور جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے نالی کے پانی کو Personify کیا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا "تنقیدی تھیوری کے سو سال" میں لکھتے ہیں:

"مصنف جب تخلیق کاری میں مبتلا ہوتا ہے تو باہر کی دنیا میں قاش قاش بکھرے پڑے تصنیف کے کچے مواد کو سمیٹ کر ایک نقطے پر مرتکز اور پھر منقلب کرتا ہے۔نقطہ جو اس کی خواہش کا مرکز ثقل ہے۔حقیقتاً خواہش بجائے خود ایک کائنات ہے۔جس کی کوئی حد نہیں۔بدھ مت والوں نے اسے سینٹانا کہا تھا، جس کا مطلب "اندر سے خالی" اور چینیوں نے اسے تاؤ (Tao) کہا تھا ...... اس کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01
ماخذ تحقیقی مجلہ

مطلب بھی اندر سے خالی تھا۔ مگر اندر سے خالی کا مفہوم خلا نہیں تھا۔ اس سے
مراد یہ تھی کہ اندر کا خالی پن ایک ایسی زبردست قوت کے طور پر موجود ہے
جو Spasmodic Contrections کے عمل میں مبتلا ہو کر باہر کو جرعہ جرعہ
اپنے اندر اتار رہا ہے۔"(۲۳)

مجید امجد کی شاعری کو بغور پڑھنے کے بعد ڈاکٹر وزیر آغا کا تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس شاعر کے ہاں اسی Spasmodic Contrections کے عمل کی کارکردگی دکھائی دیتی ہے۔ Personification کی اگلی مثال مجید امجد کی نظم "بھادوں" سے لی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

کیا کرے کوئی یہی بہت ہے جاگتی ٹیس اک درد بھری
مدھم جھونکے کا اکتارا کھلتے گھونگٹ آرزوؤں کے
بھیگی پلکیں سوچوں کی (۲۴)

اس نظم میں شاعر نے Thinking Process کو Personify کیا ہے اور ان کے سوز و اضطراب، بے کلی و بے چینی اور پھر بے چارگی کو اس کی پلکوں کے بھیگ جانے سے واضح کیا ہے۔

مجید امجد جیسا باکمال شاعر ہی سوچ کو Personify کر سکتا تھا۔ بڑا شاعر اپنے تخیل کی کائنات میں ہمہ وقت موج زن ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں خیالات میں سے کسی ایک تخلیقی لمحے میں کسی ایک خیال کو اس کے مہین سروں سمیت گرفت میں لے آتا ہے اور الفاظ کے درست چناؤ کی مدد سے اظہار کر دیتا ہے۔ اپنے اردگرد کی اشیاء کو کون نہیں دیکھتا مگر ان کے دکھ، ان کا کرب، ان کی خوشیاں اور ان کی آرزوئیں سننے والا حساس دل ایک بڑے شاعر کا ہی خاصہ ہو سکتا ہے۔ مجید امجد ڈوب کے تنکے سے لے کر ستاروں کی مسکراہٹ تک کا سفر طے کرنے میں، بجری پر پڑے خون کے چھینٹے کے دھبے کو، نالی میں تلملاتے پانی کو، آبشاروں کے سر پٹکنے کو، صدیوں سے راہ تکتی ہوئی گھاٹیوں کو اور راہ گیر کے قدموں سے لپٹ جانے والی توجہ کی طالب پھولوں کی ڈالی 'بھکارن' کو نہیں بھولا۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ارسطو سے ایلیٹ تک، کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، طبع ہفتم، ص ۲۵۹

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

۲۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص ۴۳

۳۔ http:/literarydevices.net/personification/

۴۔ http:/literarydevices.net/personification/

۵۔ https://www.poetryfoundation.org/poems/44411/a-shropshre-lad-2-loveliest-of-trees-the-cherry-now

۶۔ https://www.poemhunter.com/poem/two-sunflowers-move-in-the-yellow-room-2/

۷۔ دیاپورا مترجم یعقوب راہی، دلت شاعری کی جمالیات، ڈاکٹر شکیل الرحمن، فنون، لاہور: اگست ۲۰۰۴ء، ص۵۸

۸۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص ۲۴۵

۹۔ ایضاً، ص ۲۸۳

۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: اردو شاعری کا مزاج، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، اشاعتِ اول، ص ۲۷۹

۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ارسطو سے ایلیٹ تک: کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، طبع ہفتم، ص ۳۱۵

۱۲۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹، ایڈیشن اول، ص۳۱۵

۱۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: مجید امجد کی داستانِ محبت، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۳ء، بار دوم، ص ۴۹۔۵۰

۱۴۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص۴۵۶

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-01

۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ارسطو سے ایلیٹ تک: کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، طبع ہفتم، ص ۲۶۱

۱۶۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: مجید امجد کی داستانِ محبت، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۳ء، بار دوم، ص۴۹۔۵۰

۱۷۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص۱۴۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ارسطو سے ایلیٹ تک: کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، طبع ہفتم، ص ۴۸۷

۲۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: نظم جدید کی کروٹیں، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۷ء، چوتھا ایڈیشن، ص ۱۰۲

۲۱۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص۱۴۸

۲۲۔ ماہنامہ نقوش، ۱۹۶۳ء، ص ۸۷

۲۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: تنقیدی تھیوری کے سو سال، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، اشاعت اول، ص ۳۰

۲۴۔ کلیاتِ مجید امجد: مرتبہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: ماورا پبلشرز، جنوری ۱۹۸۹ء، ایڈیشن اول، ص۳۶۹